علامہ محمد اقبال کے چند شعری افکار

(Some Poetic Thoughts of Allama Muhammad Iqbal)

ڈاکٹر سعادت سعید

Dr. Sadat Saeed
Professor, Department of Urdu
Government College University, Lahore

Abstract:
The Poet of East Allama Muhammad Iqbal throughout his intellectual span of life, supported passions of progress for humanity at large. His thoughts expressed in his poetry and prose supported advancement of mankind on earth. He wrote precious articles advocating principals of movement for pushing forward human culture in static societies. For him those nations embraced their decline which could not move forward according to the needs of time. Through his pensive poetry collections and remarkable prose books he analysed states of regressions in human societies and pointed out how Man on earth can move forward in directions of achieving goals of real developments and social evolution. Allama Muhammad Iqbal viewed critically the unethical basis of imposed western social and political systems in colonised areas. His thoughts against imperialistic kinds of slavery were widely appreciated by the intellectuals of various countries.

Keywords:
Allama Iqbal, Urdu Poetry, Urdu Prose, Social Evolution, Western Social System, Colonialism, Imperialism, Muslim World, Muslim Identity.

علامہ محمد اقبال بیسویں صدی کی عظیم فلسفی شخصیت ہیں۔ اپنے فلسفے اور فکر کی وسعتوں اور افادیت کے لحاظ سے دنیا بھر کے فلسفیوں میں وہ ایک ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ انھوں نے ایک سطح پر تو ایک خوابیدہ قوم کو اس کے تخلیقی تشخص سے آشنا کیا اور دوسری سطح پر تمام مجبور اور محکوم قوموں کے انسانوں کو آزادی کا ایک لائحہ عمل بخشا۔ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ جیسی فلسفیانہ کتاب لکھ کر انھوں نے مسلم اقوام کی فکری قیادت کا فریضہ ادا کیا۔ بانگ درا سے باقیات علامہ

محمد اقبال تک ان کی شاعری کا مطالعہ یہ حقیقت عیاں کرتا ہے کہ شاعر "چیونٹیوں کے قافلے کے اندر ایک مناد" کا کام کرتا ہے۔ وہ مناد جو کسی قوم یا سماج کو آنے والے خطرات سے بھی آگاہ کرتا ہے اور اس کے لیے ایک صحیح راستے کا چناؤ بھی سرانجام دیتا ہے۔ اس خیال کا اظہار مجید امجد کی اس نظم میں کیا گیا ہے:

چیونٹیوں کے ان قافلوں کے اندر میں وہ مناد ہوں
جس کی آنکھوں میں جب آتی آندھیوں اور طوفانوں کی اک خبر ابھرتی ہے
تو ان آندھیوں اور طوفانوں کی آواز کو قافلے سن نہیں سکتے
لیکن میرے دل کا خوف، جو میرے علم کی عادت ہے
ان قافلوں کے حق میں اک ڈھال ہے
تقدیروں کی یہ خبریں اور ان کے سب دکھ میرے لیے ہیں
لیکن کس نے میری خبروں کو میری آواز کے پیکر میں دیکھا ہے
کس نے سنی ہے جاننے والی یہ آواز جو سب کے سروں پر ڈھال ہے
سدا جئیں ان صحنوں میں یہ دھیرے دھیرے رینگنے والی ننھی جیتی لکیریں
جن کے ذرا ذرا سے الجھاوے ہی ان کے کڑے مسائل ہیں
ان دکھوں سے بھی بڑھ کر
جو آسمانوں کے علموں نے مجھ کو سونپے ہیں (۱)

(چیونٹیوں کے ان قافلوں از مجید امجد)

علامہ محمد اقبال نے مشرقی فکر کی کائنات میں ایک انقلاب کو جنم دیا۔ انھوں نے مشرقی اور مذہبی اور روحانی اقدار کے دائروں میں رہتے ہوئے بیسویں صدی کے نئے صنعتی، میکانکی اور کاروباری انسان کا بغور جائزہ لیا اور اس کی ہمہ جہتی سرگرمیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے اسے ان اعلیٰ اقداری سانچوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کا درس دیا جو اسے انسانیت کی بلند منزلوں تک لے جاسکتے ہیں۔ اس قسم کے علمی اور فکری درسوں کے باوجود نئے انسان نے مادیت کی اس روش کو چھوڑنے کی مساعی نہیں کی جس پر چل کر آج پولیوشن، ایڈز اور اعصابی دباؤ اور جسمانی امراض نے انسان کی زندگی کو اجیرن بنا رکھا ہے۔ شاعر کے بارے میں وہ بانگ درا کی ایک نظم میں لکھتے ہیں:

جوئے سرود آفریں آتی ہے کوہسار سے
پی کے شراب لالہ گوں مے کدۂ بہار سے
مست مئے خرام کا سن تو ذرا پیام تو

زندہ وہی ہے کام کچھ جس کو نہیں قرار سے
پھرتی ہے وادیوں میں کیا دختر خوش خرام ابر
کرتی ہے عشق بازیاں سبزۂ مرغزار سے
جام شراب کوہ کے خم کدے سے اڑاتی ہے
پست و بلند کرکے طے کھیتوں کو جا پلاتی ہے
شاعر دل نواز بھی بات اگر کہے کھری
ہوتی ہے اس کے فیض سے مزرع زندگی ہری
شان خلیل ہوتی ہے اس کے کلام سے عیاں
کرتی ہے اس کی قوم جب اپنا شعار آزری
اہل زمیں کو نسخۂ زندگی دوام ہے
خون جگر سے تربیت پاتی ہے جو سخنوری
گلشن دہر میں اگر جوئے مئے سخن نہ ہو
پھول نہ ہو، کلی نہ ہو، سبزہ نہ ہو، چمن نہ ہو(۲)

علامہ محمد اقبال نے عہد جدید میں قائم ہونے والے فسطائی اشتراکی سرمایہ دارانہ جاگیر دارانہ اور مغربی جمہوری نظاموں کے خلاف اپنے شعری مجموعوں اور نثری کاوشوں میں بہت کچھ لکھا ہے اور اس نو آبادیاتی نظام کے خلاف تیسری دنیا کے انسانوں کو صف بستہ ہونے کا درس دیا ہے جو انسان کو حیلوں بہانوں سے کارخانوں کی نئی اشیا کا بلاضرورت عادی بنا کر اس سے اس کے زر خالص کے ساتھ ساتھ روحانی سکون بھی چھین رہا ہے۔ علامہ محمد اقبال کا پیغام اگر ایک سطح پر دنیا بھر کی مسلم اقوام کے لیے تھا تو دوسری طرف انھوں نے عام انسانی زندگی پر بھی نئے سیاسی، عمرانی اور معاشی نظاموں کے منفی اثرات کا بنظر غائر جائزہ لیا تھا چناں چہ یوں ان کا پیغام پوری انسانیت کی راہبری کرتا نظر آتا ہے۔ علامہ محمد اقبال نے جس تہذیب کو مائل بہ خود کشی قرار دیا تھا وہ پہلے سے کہیں زیادہ زور وشور سے اکیسویں صدی میں داخل ہوتی نظر آرہی ہے۔
علامہ اقبال نے اپنی طویل نظم خضرراہ میں سرمایہ و محنت کے معاملات پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا تھا:

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا، ہے یہ پیام کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ؟دار حیلہ گر
شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات

دست دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
ساحر الموط نے تجھ کو دیا برگ حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخ نبات
نسل، قومیّت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات
کٹ مرا ناداں خیالی دیوتاؤں کے لیے
سکر کی لذّت میں تو لٹوا گیا نقد حیات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
ہمّت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنچہ ساں غافل ترے دامن میں شبنم کب تلک
نغمۂ بیداری جمہور ہے سامان عیش
قصّۂ خواب آور اسکندر و جم کب تلک
آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسماں! ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک
توڑ ڈالیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
دوری جنّت سے روتی چشم آدم کب تلک
باغبان چارہ فرما سے یہ کہتی ہے بہار
زخم گل کے واسطے تدبیر مرہم کب تلک
کرمک ناداں! طواف شمع سے آزاد ہو
اپنی فطرت کے تجلّی زار میں آباد ہو(۳)

صنعتی لوٹ مار، تجارتی دھوکے، اخلاقی پستیاں، مادی بے راہ رویاں، اور روحانی ناداریاں اپنے عروج پر نظر آ رہی

ہیں۔ پلاسٹک منی کی ایجاد کے بعد سے یہ جنگ اپنے زوروں پر نظر آ رہی ہے کہ ساری دنیا کی دولت کسی ایک صنعتکار کے پلاسٹک کارڈ پر درج ہو جائے۔ تنازع للبقا کے جنگلی قانون کی چیرہ دستیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ ایسے میں علامہ محمد اقبال کے اس روحانی اور قرآنی پیغام کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے جس میں انسانوں کو یہ درس دیا گیا ہے کہ وہ ضرورت کے مطابق رزق اپنے پاس رکھیں اور باقی مستحقین میں تقسیم کر دیں۔ بلا ضرورت مادی اشیا اکٹھی نہ کریں کہ یہ صارفین کے لیے پریشانیوں اور فشارِ خون کے تحفے مہیا کرتی ہیں۔ علامہ محمد اقبال نے دھوکے، مکاری اور منافقت کی سیاست اور معیشت کے خلاف جو صدائے احتجاج بلند کی تھی اکیسویں صدی میں اس کی اور بھی زیادہ ضرورت ہو گی اور یہ مادی تہذیب دھیرے دھیرے خودکشی کر لے گی اور اس کی جگہ وہ روحانی تہذیب لے لے گی جس میں انسان کو انسان سمجھا جاتا ہے۔ اس کی عزت نفس کو اہمیت دی جاتی ہے جس میں انسان کسی دنیاوی آقا کی بجائے صرف خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ آج مغربی استعمار کی نئی شکلیں دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہیں اور اکیسویں صدی میں ان کی شدت میں اور بھی اضافہ ہو گا۔ علامہ محمد اقبال نے ہر قسم کے استعماری، سامراجی اور نو آبادیاتی سلاسل کے خلاف قلمی جہاد کیا ہے۔ اسرار خودی کے آغاز میں مولانا روم کی ایک غزل کے تین اشعار درج کر کے انھوں نے اپنی شاعری کی سمت تعینی کر دی تھی:

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست
زیں ہمرہان سست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما
گفت آنکہ یافت می نشد آنم آرزوست(۴)

”کل ایک بزرگ دیا ہاتھ میں لیے شہر میں گھوم رہے تھے اور کہتے جاتے تھے۔
کہ میں پھاڑنے والے جانوروں اور وحشیوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ مجھے ایک انسانِ کامل دیکھنے کی خواہش ہے۔
میں ان سست اور کاہل ساتھیوں سے دل گیر ہو چکا ہوں۔
مجھے ایسے شیر صفت انسانوں کی ضرورت ہے۔ جو اللہ تعالی کے شیر ہوں۔
اور رستم ایرانی پہلوان کی سی طاقت رکھتے ہوں۔ یعنی میں روحانی اور بدنی قوتیں رکھنے والے لوگوں کی خواہش رکھتا ہوں۔

میں نے جواب میں کہا۔ ہم نے بہت زیادہ تلاش کی۔ ہمیں ایسے لوگ نہیں ملتے۔
اس نے کہا۔ جو نہیں ملتے۔ مجھے ان ہی کی تلاش ہے۔

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے ان اشعار میں انسان کامل سے ملنے کی خواہش کی ہے"(ترجمہ اسرار خودی)۔(۵)

اکیسویں صدی میں کلام علامہ محمد اقبال کا مطالعہ کرنے والے اس پیغام سے مستفیض ہو کر دنیا کو اعلیٰ روحانی اقدار عطا کر سکتے ہیں۔ علامہ محمد اقبال نہ صرف ایک عظیم شاعر ہی تھے بلکہ قومی ملی امنگوں اور آرزوؤں کو نظریاتی زبان دینے والے عظیم فلسفی بھی تھے۔ ان سے پہلے اردو شاعری میں کوئی واضح ڈائرکشن نظر نہیں آتی۔ ان کی شاعری تاثیر کے جوہر سے مملو کروڑوں مسلمانوں اور انسانوں کے دلوں میں موجود کئی ان کہی داستانوں کو منظر عام پر لانے کا فریضہ ادا کر چکی ہے۔ کسی سوئی ہوئی قوم کو جگانا انتہائی مشکل کام ہے۔ اس سے بھی مشکل کام اس قوم کو کسی نظریئے یا نقطہ نظر کے جھنڈے تلے متحد اور منظم کرنا ہے۔ علامہ محمد اقبال نے ہر نوع کی مشکل اور دشواری کے باوجود یہ کام کر دکھایا ہے۔ ان کے اشعار قارئین کے دلوں میں جذبے اور احساس کی حرارت پیدا کرنے کا فریضہ سر انجام دے چکے ہیں اور دے رہے ہیں۔ فصاحت اور بلاغت ان کی شاعری کا جزو خاص ہے۔ انھوں نے اردو نظم اور غزل کو جس گرینڈ اسٹائل سے روشناس کروایا ہے اس کی تشکیل کے لیے صدیاں درکار ہوتی ہیں۔ کیا یہ ایک معجزہ نہیں ہے کہ علامہ محمد اقبال نے اپنی اردو شاعری کو یہ اسٹائل بخشا بھی ہے اور اسے قبول عام اور بقائے دوام کی سند بھی دلوائی ہے۔ اس سیاق وسباق میں ان کے طرز بیان کا یہ جادو ملاحظہ ہو:

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالم آب و خاک میں تیرے حضور کا فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب
شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب
شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب وجستجو، عشق حضور واضطراب(۶)

(علامہ محمد اقبال، کلیات، اقبال اکادمی، لاہور، ص ۴۴۱)

حقیقت یہ ہے کہ گرینڈ سٹائل گرینڈ نظریات و افکار کے بغیر متشکل نہیں ہو سکتا سو جب علامہ محمد اقبال کی شاعری کے گرینڈ اسٹائل کی بات کرتے ہیں تو فی الاصل ہم ان کے اس فکر کی بات کرتے ہیں جس کی بدولت یہ ممکن

ہو سکا۔ وہ لکھتے ہیں:

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت ، تہذیب، رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اٹھ کے اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے(۷)
توڑ ڈالیں فطرت انساں نے زنجیریں تمام
دوری جنت کو روتی چشم آدم کب تلک(۸)
تمیز بندہ و آقا فساد آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کے زنجیریں
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں(۹)

(طلوع اسلام)

علامہ محمد اقبال کی فکر ایک سطح پر توہر اس سوچ کا توڑ ہے جس کی بنیاد میں آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹنے کا مواد موجود ہوتا ہے اوران کے خیالات کے طائر ہر دم رواں زندگی کے ساتھ ساتھ چلنے ہی میں ترقی اور کامیابی کا راز مضمر دیکھتے ہیں۔ ان کے فلسفے اور فکر نے ان ناہمواریوں کو ہموار کیا ہے جو ارتقا اور حقیقی نشوونما کی منزلوں کی راہوں میں حائل ہیں۔ ”اسرار خودی“، ”رموز بے خودی“، ”پیام مشرق“، ”بانگ درا“، ”زبور عجم“، ”بال جبریل“، ”ضرب کلیم“، ”جاوید نامہ“، ”پس چہ باید کرد اے اقوام شرق“ جیسی لافانی شعری کتب کی تخلیق کے ساتھ ساتھ انھوں نے فلسفہ عجم اور ” تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ“ جیسی فلسفیانہ کتب بھی سپرد قلم کی ہیں ان کی ان کتابوں نے برصغیر کے مسلمانوں کو تو جگانے کا فریضہ ادا کیا ہی تھا ایشیا کے اور بہت سے مسلم ممالک کے عوام نے بھی ان سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ کلام اقبال میں مندرجہ بالا بعض معروضات کے علاوہ ایک جہان معانی آباد ہے۔ اس کے حوالے سے کئی کتب اور مقالے لکھے جا چکے ہیں اور لکھے جاتے رہیں گے۔ انھوں نے یورپی یا مغربی تہذیب کے کھوکھلے پن کا متعدد مقامات پر تذکرہ کیا ہے۔ ان کے خیال میں یورپ اپنی شمشیر کا آپ ہی گھائل ہے۔ یورپ از شمشیر خود بسمل نہاد۔ (۱۰)

ان کے خیال میں یورپ نے جس سیاسی، تہذیبی، اخلاقی، فکری نظام کی بنیادوں کو استوار کیا ہے۔ اس کے اندر

وہ تضادات موجود ہیں جو اس کے زوال کا باعث بنیں گے۔ اقبال کے فارسی کلام کے ساتھ ساتھ اردو کلام میں بھی یہ پیغام موجود ہے۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

حوالہ جات

۱۔ مجید امجد، کلیات، مرتبہ خواجہ محمد زکریا، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص: ۶۳۰
۲۔ علامہ محمد اقبال، کلیات، اسلام آباد: اقبال اکادمی و نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۷ء، ص: ۲۳۹
۳۔ علامہ محمد اقبال، کلیات، ص: ۲۹۱
۴۔ علامہ محمد اقبال، کلیات فارسی، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۴ء، ص: ۲۴
۵۔ یہ ترجمہ بشیر اینڈ سنز کی مطبوعہ شرح کلیات اقبال (فارسی) سے مقتبس ہے۔
۶۔ علامہ محمد اقبال، کلیات، ۲۰۱۷ء، ص: ۴۴۱
۷۔ ایضاً، ص: ۲۹۲
۸۔ ایضاً، ص: ۲۹۳
۹۔ ایضاً، ص: ۳۰۲
۱۰۔ علامہ اقبال نے مغربی تہذیب کے بارے میں دوٹوک انداز میں اعلان کیا تھا۔